علامہ اقبال اور مطالعۂ استشراق: ایک تجزیہ

محمد ریاض محمود*
احسان الرحمٰن غوری**

استشراق، غیر مسلم خصوصاً مغربی اہلِ دانش کی وہ علمی تحریک ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تحقیق وتنقید کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ بلاشبہ اس تحریک سے وابستہ بعض اہلِ علم نے علوم اسلامیہ کی تفہیم اور ترویج واشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے مگر اس طبقہ کی اکثریت کا بنیادی ہدف اسلام کی مخالفت اور اس کی تعلیمات پر عدم اعتماد کی راہ ہموار کرنا ہے۔ اسلام و کفر کے معرکے کا آغاز اگرچہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ابتدائی ایامِ نبوت سے ہی ہو گیا تھا، تاہم علمی وتحقیقی میدان میں استشراق کے نام سے مسلمانوں کے خلاف حاسدانہ ومعاندانہ کاروائیوں میں تیزی انیسویں اور بیسویں صدیوں کے دوران دیکھنے میں آئی۔ مسلم دانشوروں نے اس استشراقی فکر کے خلاف زبردست ردِّعمل کا مظاہرہ کیا۔ ان اساطینِ علم کی علمی تگ وتاز کے سامنے مستشرقین بری طرح پٹ کر رہ گئے۔ مسلمانوں میں ایسے سرفروش علماء، شعراء، ادباء، خطباء اور فلاسفہ پیدا ہوئے جنہوں نے دفاعِ اسلام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ گزشتہ دو صدیوں میں تخلیق پانے والے مذہبی لٹریچر میں اس علمی کشمکش کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ فکر اسلامی اور مسلم تشخص کے تحفظ کے لیے برصغیر میں اہلِ علم کا کردار بڑا زبردست اور تاریخی نوعیت کا رہا ہے۔ ان شخصیات نے اسلام کے بارے میں مستشرقین کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کے اثرات کا نہ صرف خاتمہ کیا بلکہ جدید مغربی فکر وفلسفہ کی خامیوں کو بھی ہدفِ تنقید بنا کر اس کی کمزوریوں کو عیاں کیا۔ استشراقی فکر کے تحقیقی وتنقیدی مطالعہ کے لیے جن شخصیات نے اہم خدمات انجام دیں ان کے اسالیب ومناہج اور رجحانات کا جائزہ دورِ حاضر کی ایک اہم علمی وفکری ضرورت ہے جس کی تکمیل کی غرض سے مضمون ہذا کے لیے موضوع تحقیق کے طور پر ''علامہ اقبال اور مطالعۂ استشراق: ایک تجزیہ'' کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال (۹ نومبر ۱۸۷۷ء-۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء) برصغیر پاک وہند کے ایک معروف شاعر، مصنف، محقق، نقّاد، قانون دان، سیاست دان، صوفی، فلسفی اور متکلم تھے۔ آپ نے علوم اسلامیہ کے مختلف گوشوں کے گہرے مطالعہ کے ساتھ ساتھ مغربی فکر وفلسفہ کا عمیق جائزہ بھی لیا تھا۔ آپ کو جہاں مولوی میر حسنؒ (۱۸۴۴ء-۱۹۲۹ء)، مولانا انور شاہ کشمیریؒ (۱۸۷۵ء-۱۹۳۳ء)، سید سلیمان ندویؒ (۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء)، مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادیؒ (۱۸۵۷ء-۱۹۳۸ء) اور خواجہ حسن نظامیؒ (۱۸۸۰ء-۱۹۵۵ء) ایسے مسلم دانش وروں سے علمی اخذ واستفادہ کی سعادت حاصل رہی، وہاں آپ کو اپنے دور کے مستشرقین سے براہِ راست رابطہ رکھنے کے لیے بہترین مواقع بھی میسر آئے۔ آپ کے مستشرق اساتذہ میں تھامس واکر آرنلڈ (۱۸۶۴ء-۱۹۳۰ء)، پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن (۱۸۶۲ء-۱۹۲۶ء)، ڈبلیو۔ آر۔ سورلی

---

*لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات، پاکستان
**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

(۱۸۵۵ء- ۱۹۳۵ء)، ڈاکٹر جان میک ٹیگرٹ (۱۸۶۶ء-۱۹۲۶ء) اور ڈاکٹر رینالڈ ایلین نکلسن (۱۸۶۸ء-۱۹۴۵ء) کے اسمائے گرامی بڑے معروف ہیں۔ (۱) مشرق و مغرب کی دانش گاہوں اور مطالعاتی مراکز سے آپ کے اخذ واستفادہ نے آپ کی علمی قابلیت اور فکری بصیرت کو بام عروج پر پہنچا دیا تھا۔ مغربی فکر کے مصادر و منابع آپ کے زیر مطالعہ رہتے تھے۔ یوں آپ نے مغربی تہذیب اور اس کے متعلقات کا مطالعہ و مشاہدہ براہِ راست کیا تھا۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

''کلام اقبال کا ۱۰/ ۶ حصہ فرنگ اور تہذیب فرنگ پر حکیمانہ نقد و نظر پر مشتمل ہے۔''(۲)

تہذیبِ مغرب کے عینی شاہد کی حیثیت سے علامہ اقبال کا مغربی فکر پر ناقدانہ تبصرہ تحقیق کے عالمی اصولوں کے مطابق بڑا معتبر ہے۔ آپ نے مغربی دانشوروں اور مستشرقین کی علمی نگارشات کا مطالعہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ عملی میدان میں ان شخصیات سے براہِ راست مراسم بھی قائم کیے تھے۔ ڈاکٹر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ علامہ اقبال کے معروف استاد ہیں، ان سے ذاتی تعلق اور عقیدت علامہ کی نظم ''نالۂ فراق (آرنلڈ کی یاد میں)'' سے واضح ہے۔ اس کا پہلا شعر ہی اقبال کی اپنے استاد کے بارے میں جذباتی کیفیت کا عکاس ہے:

جا بسا مغرب میں آخر اے مکاں تیرا مکیں
آہ! مشرق کی پسند آئی نہ اس کو سرزمیں (۳)

علامہ اقبال نے آرنلڈ کی وفات پر ۱۶ جولائی ۱۹۳۰ء کو لیڈی آرنلڈ کے نام ایک خط لکھا جس میں نہ صرف رسمی ہمدردی اور غمگساری کا اظہار کیا ہے بلکہ اپنی ذات کے حوالے سے آرنلڈ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مائی ڈیئر لیڈی آرنلڈ!
>
> جب سر ٹامس آرنلڈ کی بے وقت موت کی خبر ہندوستان پہنچی، ہم سب کو کس قدر شدید صدمہ ہوا۔ میرے لیے نینسی (Nancy) اور آپ کو یہ بتانا ممکن نہیں، جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ ان کے شاگرد اور وہ سب جنہیں ان کے ساتھ کسی طور پر بھی واسطہ پڑا، ان سے محبت کرتے تھے۔ میں جانتا ہوں اظہارِ غم کے الفاظ آپ کے لیے کچھ زیادہ تسلی کا باعث نہیں ہو سکتے، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انگلستان، ہندوستان اور ان تمام ملکوں کے لوگ جہاں ان کا کام بحیثیت ایک عظیم مستشرق کے متعارف ہے، آپ کے غم میں شریک ہیں۔ بلاشبہ ان کی موت جس طرح برطانوی سکالرشپ کے لیے عظیم نقصان ہے۔ اسی طرح دنیائے اسلام کے لیے بھی جس کے فلسفہ اور ادب کی پرجوش خدمت انہوں نے اپنی حیاتِ ارضی کے آخری لمحہ تک سرانجام دی۔ میرے لیے یہ ذاتی نقصان ہے کیوں کہ میرا ان کے ساتھ تعلق رہا تھا، جس نے میری شخصیت کی تشکیل کی اور اسے علم کے راستے پر ڈالا۔ بے شک ہمارے نقطۂ نظر سے وہ زندگی کا منور شعلہ بجھ گیا ہے، لیکن یہ میرا پختہ یقین ہے کہ ان لوگوں کے ہاں جو ان کی طرح اپنی زندگیاں محبت اور خدمت کے لیے وقف کرتے ہیں موت کے معنی ''مزید روشنی'' کے ہوتے ہیں۔ میں خلوص دل کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ خدا ان کی روح کو ابدی سکون بخشنے اور نینسی

> اور آپ کو خدا اتنی طاقت عطا فرمائے کہ ان کی بے وقت موت سے واقع ہونے والے نقصان کو صبر سے برداشت کر سکیں۔
>
> آپ کا مخلص
>
> محمد اقبال‘‘(۴)

ڈاکٹر آرنلڈ سے، شاگرد اور دوست کی حیثیت سے علامہ اقبال کے گہرے مراسم تھے مگر اپنے استاد کی مذہبی فکر کے بارے میں ان کی رائے کیا تھی؟ اس کا اندازہ اقبالیات کے ماہر سید نذیر نیازی (م۱۹۸۱ء) اور علامہ اقبال کے درمیان ہونے والی ایک گفتگو سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ سید نذیر نیازی نے اس گفتگو کا حال ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ’’باتوں باتوں میں ترکوں اور ترکی سیاست کا ذکر آ گیا اور پھر اس سلسلے میں نہ معلوم کس طرح اس روز کے اخبار کا، میں نے عرض کیا آرنلڈ کا تو آپ نے سن ہی لیا ہوگا۔ متعجب ہو کر فرمایا: کیا؟ میں نے کہا صبح کے اخبار میں ان کے انتقال کی ---- بس اتنا کہنا تھا کہ حضرت علامہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور پھر سر جھکا کر چند لمحے خوب روئے۔ یوں ان کے دل کا بخار ہلکا ہوا تو فرمایا: Iqbal has lost his friend and teacher (اقبال اپنے استاد اور دوست سے محروم ہو گیا)۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اتنے گہرے روابط اور تعلق خاطر کے باوجود جب میں نے آرنلڈ کے مرتبۂ استشراق اور اسلام سے ان کی عقیدت کا ذکر چھیڑا تو فرمایا: اسلام! اسلام سے آرنلڈ کو کیا تعلق! میں نے کہا جب کوئی شخص بہ تحقیق اور طالب علمانہ اسلام پر قلم اٹھاتا ہے تو اس سے یہی توقع ہوتی ہے کہ اسلام کے بارے میں اس کی رائے اچھی ہوگی، بلکہ شاید خود بھی اس طرف مائل ہو، جیسے مثلاً نپولین یا گوئٹے کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ پھر آرنلڈ تو دعوتِ اسلام بھی لکھ چکے ہیں۔ فرمایا: دعوتِ اسلام اور اس قسم کی کتابوں پر نہ جاؤ۔ آرنلڈ کی وفاداری صرف خاکِ انگلستان سے تھی، وہی ان کا دین تھا۔ اور وہی ان کی دنیا۔ انہوں نے جو کچھ کیا انگلستان کے مفاد کے لیے کیا۔ میں جب انگلستان میں تھا تو انہوں نے مجھ سے براؤن کی تاریخ ادبیات ایران پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ لیکن میں نے انکار کر دیا، کیوں کہ مجھے اس قسم کی تصنیفات میں انگلستان کا مفاد کام کرتا نظر آتا تھا۔ دراصل یہ بھی ایک کوشش تھی ایرانی قومیت کو ہوا دینے کی۔ اس مقصد سے کہ ملت اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے، بات یہ ہے کہ مغرب میں فرد کی زندگی صرف ملک کے لیے ہے اور وطنی قومیت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ملک اور قوم (دونوں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں) کو ہر بات پر مقدم رکھا جائے۔ لہٰذا آرنلڈ کو مسیحیت سے غرض تھی نہ اسلام سے، بلکہ سیاسی اعتبار سے دیکھا جائے تو آرنلڈ کیا ہر مستشرق کا علم و فضل وہی راستہ اختیار کر لیتا ہے جو مغرب کی ہوس استعمار اور شہنشاہیت کے مطابق ہو۔ ان حضرات کو بھی شہنشاہیت پسندوں اور سیاست کاروں کا دست و باز و تصور کرنا چاہیے۔‘‘(۵)

مستشرقین کی بعض نمائندہ شخصیات سے ذاتی قرب کا نتیجہ تھا کہ علامہ اقبال اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مستشرقین کے رویوں سے پوری طرح آگاہ تھے اور ان کی علمی سرگرمیوں کے مقاصد کے بارے میں کسی ابہام کا شکار نہ تھے۔ مستشرقین کی کتب میں سے بعض نے انہیں متاثر کیا اور انہوں نے اپنی تحریروں میں ان کے حوالے بھی دیے۔ بعض انہیں بالکل متاثر نہ کر سکیں اور انہوں نے اپنی رائے کا بے لاگ اظہار کر دیا۔ صرف ایک تالیف ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ' میں انہوں نے کم و بیش ۳۴ مغربی اہل قلم کا ذکر کیا ہے، ان میں فان کریمر (م ۱۸۸۹ء) اور ہر گرونجے (م ۱۹۳۶ء) جیسے مستشرقین بھی شامل ہیں۔ مستشرقین کے بارے میں علامہ اقبال کے مطالعاتی رجحانات کا اندازہ ان کی شعر گوئی کے ساتھ ساتھ نثری تصانیف خصوصاً ان کے مکتوبات سے ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اقبال نے مکتوبات میں زیادہ وضاحت کے ساتھ استشراقی فکر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ مستشرقین کے قابل ستائش پہلوؤں کے مداح تھے، خصوصاً تحصیل علوم میں ان کی مساعی اور خوبصورت پیش کش کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مستشرقین سے علمی و فنی میدان میں استفادہ کے زبردست حامی تھے مگر اس گروہ کی خلافِ اسلام روش سے مرعوب ہونے کے بجائے ان پر کھل کر تنقید کرتے تھے اور مغربیت کے مہلک و مذموم اثرات کا تجزیہ کرتے تھے۔ دراصل وہ مستشرقین کی تحقیقات کو جانب دارانہ خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عمومی طور پر علامہ اقبال نے مستشرقین کی فکر سے گریز کا رویہ اپنایا ہے۔ حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری (م ۱۹۷۴ء) علوم اسلامیہ کی اعلیٰ تعلیم و تحقیق کے لئے یورپ جانا چاہتے تھے۔ علامہ اقبال نے انہیں یورپ جانے سے روکا۔ علامہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ''جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے۔ فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاقِ حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے میں بلا تأمل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لیے یورپ جانا بے سود ہے۔''(۶)

جرمن مستشرق گولڈ زیہر (۱۸۵۰ء-۱۹۳۱ء) جو اسلام کے بنیادی مصادر یعنی قرآن و حدیث پر اعتراضات کرنے والے اہم مستشرقین میں شامل ہے، کے بارے میں علامہ کی رائے ملاحظہ ہو:

> ''وہ ایک جرمن یہودی ہے اور انگریزی میں نہیں لکھتا۔ اس کی مشہور ترین کتب جرمن زبان میں ہیں اور ان میں کوئی خاص چیز مجھے تو نظر نہیں آئی۔ میں یورپین مستشرقین کا قائل نہیں کیونکہ ان کی تصانیف سیاسی پروپیگنڈا یا تبلیغی مقاصد کی تخلیق ہوتی ہیں۔''(۷)

علامہ اقبال نے جہاں مستشرقین کے پوشیدہ مگر حقیقی مقاصد کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے وہاں ان کی تحقیقات کے بعض فوائد کا بھی ذکر کیا ہے۔ علامہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ''یورپین کتابوں میں سے اکثر بلاشبہ خاص اغراض کو مدنظر رکھ کر تصنیف کی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں کہیں کہیں

> آپ کو اپنے مضمون سے متعلق نہایت مفید معلومات ملیں گی۔ مثلاً مارشل کی 'اسلام چین میں' ایک مشنری نے مشنری اغراض کے لیے لکھی ہے۔ بایں ہمہ اس کتاب کے بعض حصص کے مطالعہ سے چینی مسلمانوں کے موجودہ نصب العین، ان کی تحریکات اور ان کی آرزوؤں کا پتہ لگتا ہے۔ مصنف نے ان کی اصلیت کے متنازع فیہ مسئلہ، ان کی موجودہ آبادی، ان کے معابد اور ان کے ادب کی نوعیت سے بھی بحث کی ہے۔ ایک دوسری مثال اسٹوڈرڈ کی تصنیف 'جدید دنیائے اسلام' ہے۔ یہ ان کتابوں میں سے ہے جو جنگ عظیم کے بعد ضبطِ تحریر میں آئی ہے اور اس کے مصنف کا مقصد محض ایک طرح کی سیاسی اشتہار بازی ہے۔ تاہم یہ ایک مفید کتاب یورپین زبانوں میں لکھی ہوئی ان کتابوں کے بے شمار حوالے دیتی ہے جو اسلام اور ملت اسلامیہ پر لکھی گئی ہیں۔''(۸)

علامہ اقبال بعض مستشرقین کے منصفانہ اور عالمانہ انداز کو سراہتے بھی تھے اور ان سے استفادے کی بعض اصحاب سے سفارش بھی کرتے تھے۔ اکبر الہ آبادی کے نام ۱۷ دسمبر ۱۹۱۴ء کے خط میں علامہ اقبال لکھتے ہیں:

> ''قرآن کے متعلق عربی میں بعض نہایت عمدہ کتابیں ہیں مگر افسوس کہ لاہور میں دستیاب نہیں ہوتیں۔ جرمن علماء نے بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر جنگ کی وجہ سے وہاں سے نہیں آسکتیں۔ انشاءاللہ بعد از جنگ بہت سی کتابیں علوم قرآن کے متعلق وہاں سے منگواؤں گا۔''(۹)

ایک طالب علم ریاض الحسن نے ایم ۔اے معاشیات کے دوران "Economic Theory in Islam" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھا۔ حصولِ سند کے بعد اس نے یہ مقالہ علامہ اقبال کو رہنمائی اور مزید مشاورت کے لیے ارسال کیا۔ جواب میں علامہ اقبال نے ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو خط لکھا۔ علامہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> "Its importance is likely to attract the attention of European scholars. Indeed some German scholars have already begun to work at it. You may also read with advantage a book called the Sociology of Islam. I forget the name of the author."(۱۰)

ریاض الحسن نے جوابی خط میں مذکورہ کتاب اور اس کے مصنف کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

> "The Sociology of Islam is by Prof. Reuben Levy who taught Persian Language and Literature at the University of London. Incidentally he produced this book in the late twenties. The book has now come out with more elaborate theme under a different title."(۱۱)

تاریخ اسلام سے علامہ اقبال کو خصوصی شغف تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرت بلالؓ پر علامہ اقبال نے اردو میں دو نظمیں کہی ہیں۔ پہلی نظم ستمبر ۱۹۰۴ء کے رسالہ ''مخزن'' میں شائع ہوئی تھی۔ دوسری نظم بانگِ درا کے حصہ سوم میں درج ہے، اس کے پہلے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال حضرت بلالؓ کے بارے میں کسی مستشرق کی تحریر سے متاثر ہوئے تھے۔ علامہ

اقبال اس مستشرق کو حق شناس قرار دیتے ہوئے اس نظم کا آغاز اس شعر سے کرتے ہیں:

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
اہلِ قلم میں جس کا بہت احترام تھا (۱۲)

۱۱ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو گرامی کے نام ایک خط میں علامہ اقبال لکھتے ہیں:

’’پنجاب کے عام رواج پر ریٹ گن کی کتاب مستند ہے، جس کی قیمت سولہ روپیہ ہے۔‘‘ (۱۳)

سید سلیمان ندوی کے نام ۲۹ مئی ۱۹۲۲ء کو اقبال نے لکھا:

’’حال کے روسی علماء کی بعض تصانیف اسلام کے متعلق دستیاب ہو جائیں تو ان کا ترجمہ ہندوستان میں شائع ہونا چاہئے۔‘‘ (۱۴)

سید سلیمان ندوی کے نام ہی یکم فروری ۱۹۲۴ء کو لکھتے ہیں:

’’مسلمانوں نے منطق استقرائی پر جو کچھ لکھا ہے اور جو اضافے انہوں نے یونانیوں کی منطق پر کیے ہیں، اس کے متعلق میں کچھ تحقیق کر رہا ہوں۔

میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں گا۔ اگر آپ از راہ عنایت اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفیض فرمائیں۔ کم از کم ان کتابوں کے نام تحریر فرمائیے جن کو پڑھنا ضروری ہے۔ جرمن زبان میں کچھ مسالہ اس کے لیے ہے اور چند کتابیں اسلامی حکما پر حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔ جو میں نے پنجاب یونیورسٹی کے لیے خریدی تھیں۔‘‘ (۱۵)

میاں بشیر احمد ’’اقبال کی یاد میں‘‘ کے تحت بیان کرتے ہیں:

’’جب دسمبر ۱۹۲۱ء میں، میں رسالہ ہمایوں جاری کرنے کی تیاری کر رہا تھا تو میں نے ان (علامہ اقبال) کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک نظم کے لیے درخواست کی۔ سن کر کہا کہ تم رسالہ کیا نکالتے ہو۔ اردو کے رسالے تو نکلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں تم اردو لٹریچر کے لیے کوئی اور زیادہ مفید کام کرو، میں نے پوچھا تو فرمایا تم فرانسیسی زبان سے واقف ہو۔ گارساں دتاسی کی تصانیف کو اردو میں منتقل کر دو۔‘‘ (۱۶)

علامہ اقبال نے معروف مشنری ڈاکٹر زویمر سے ۱۹۲۴ء میں ان کے دورۂ ہندوستان کے دوران ملاقات کی۔ علامہ کا ان کے بارے میں تبصرہ ملاحظہ ہو:

’’قاہرہ میں ایک امریکن مشنری ہیں۔ وہ اسلام کی مخالفت میں ایک رسالہ ’مسلم ورلڈ‘ کی ادارت بھی کرتے ہیں لیکن انہوں نے متعدد کتابوں اور مضامین کی صورت میں ملل اسلامی پر بہت کچھ لکھا ہے۔‘‘ (۱۷)

علامہ اقبال کے ایک انگریزی خطبے کا اردو ترجمہ ’’حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت‘‘ کے نام سے شائع ہوا۔ علامہ فرماتے ہیں:

> ''اسلامی ثقافت کے مؤرخ کی مشکل زیادہ تر اس سبب سے ہے کہ عربی کے ایسے علماء تقریباً مفقود ہیں جو سائنس کے مخصوص شعبہ جات کے تربیت یافتہ ہوں۔ یورپین مستشرقین نے اسلامی تاریخ، لسانیات، مذہب اور ادب کے میدانوں میں بلاشبہ بڑی شائستہ خدمات انجام دی ہیں۔ اسلامی فلسفہ بھی ان کی توجہ سے بہرہ یاب ہوا ہے لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑے گا کہ فلسفہ میں جو کام ہوا ہے مجموعی طور پر سطحی نوعیت کا ہے اور اکثر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ لکھنے والے نہ صرف اسلامی بلکہ یورپی فکر سے بھی نا آشنا اور ناواقف ہیں۔''(۱۸)

ڈاکٹر سید ظفر الحسن کے نام ۱۳ دسمبر ۱۹۳۵ء کو علامہ اقبال نے لکھا:

> ''آپ کے شاگرد رشید محمد عمر الدین صاحب نے کچھ عرصہ گزرا مجھے الغزالی پر ایک چھوٹی سی کتاب ارسال فرمائی تھی۔ ان سے کہیے کہ وہ مارگیرڈ سمتھ کی کتاب An Early Mystic of Baghdad حارث بن اسد المحاسبی کا جو چند ماہ قبل شائع ہوئی مطالعہ کریں۔ انہیں چاہیے کہ اس کتاب کا ایک ایک لفظ نہایت غور سے پڑھیں۔ اس کتاب سے انہیں نہ صرف غزالی کی تعلیمات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی بلکہ غزالی کی مدد سے مشرق و مغرب کے یہودی اور عیسائی تصوف پر محاسبی کے اثرات کا بھی معقول اندازہ ہو سکے گا۔''(۱۹)

مستشرقین نے علومِ اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں بڑی اہم فنی خدمات انجام دی ہیں خصوصاً ترتیب و تدوین، حاشیہ نگاری اور اشاریہ سازی کے حوالے سے ان کا کام بڑا قابل تعریف ہے۔ فرانسیسی مستشرق لوئی ماسینیون (م ۱۹۶۲ء) نے حسین بن منصور حلاّج (م ۱۹۲۲ء) کے ملفوظات ''کتاب الطّواسین'' کا ایک مستند متن تیار کیا اور اس پر حواشی لکھے۔ علامہ اقبال نے اکبر الٰہ آبادی کے نام ایک خط میں لکھا ہے:

> ''ابن منصور حلاّج کا رسالہ 'کتاب الطّواسین' فرانس میں نہایت مفید حواشی کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔ فرانسیسی مستشرق نے نہایت عمدہ حواشی دیے ہیں۔''(۲۰)

ایک دوسرے خط میں علامہ اقبال کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ''(ابن) منصور حلاّج کا رسالہ 'کتاب الطّواسین' جس کا ذکر ابن ندیم کی 'الفہرست' میں ہے، فرانس سے شائع ہو گیا ہے۔ مؤلف نے فرنچ زبان میں نہایت مفید حواشی اس پر لکھے ہیں، حسین کے اصلی معتقدات پر اس رسالے سے بڑی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے مسلمان (ابن) منصور کی سزا دہی میں بالکل حق بجانب تھے۔ اس کے علاوہ ابن حزم نے کتاب الملل میں جو کچھ (ابن) منصور کے متعلق لکھا ہے اس کی اس رسالے سے پوری تائید ہوتی ہے۔''(۲۱)

مستشرقین کے اسی نوعیت کے فنی کاموں نے اقبال کو یہ ترغیب دی کہ وہ مسلمانوں کی توجہ خالص علمی اور فنی امور کی طرف مبذول کرائے۔ ترتیب و تدوین اور تحقیق و تنقید کے جس معیار کو علامہ اقبال مسلمانوں میں رواج دینا چاہتے تھے اس

کا اندازہ اُن کے اِن الفاظ سے ہوتا ہے:

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ میں وسائل ایڈٹ کرنے کے بہت زیادہ ہیں لیکن آخر ہندی مسلمانوں کو بھی تو یہ کام کچھ نہ کچھ شروع کرنا ہے۔'' (۲۲)

فان کریمر کی ''تاریخ القرآن'' کے بارے میں بھی علامہ اقبال نے اسی خواہش کا اعادہ کیا ہے۔ علامہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ''میرا ارادہ ہے کہ کبھی فرصت ملے تو اس کے بعض حصص کا ترجمہ اردو میں کر ڈالوں۔ کتاب کا انداز عالمانہ اور منصفانہ ہے۔ اگرچہ مجموعی لحاظ سے اس کا مقصد ہماری آراء اور عقائد کے خلاف ہے۔ میرا مقصد ترجمے سے صرف یہ ہے کہ ہمارے علماء کو یورپ والوں کا طرزِ استدلال و تحقیق معلوم ہو۔'' (۲۳)

علامہ اقبال مغربی ملکوں کے دوروں کے موقع پر مستشرقین سے ملاقاتیں کرنے کا خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے۔ برصغیر کے سیاسی مسائل معلوم کر کے ان کا مناسب حل تلاش کرنے کے لیے لندن میں منعقدہ دوسری گول میز کانفرنس (۱۹۳۲ء-۱۹۳۱ء) میں آپ نے شرکت کی۔ واپسی پر چند ایام اٹلی میں گزارے۔ وہاں پرنس کائتانی سے ملاقات ہوئی جو مسلم تاریخ کی تصنیف و تدوین میں غیر معمولی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کی لگن اور کتاب دوستی کا اعتراف علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''وہ اسلامی تاریخ کا بہت دلدادہ ہے۔ اس نے تاریخ پر اتنی کتابیں لکھی ہیں اور اس قدر روپیہ صرف کیا ہے کہ کوئی اسلامی سلطنت اس کے ترجمے کا بندوبست بھی نہیں کر سکتی۔ اس نے لاکھوں روپے صرف کر کے تاریخی مواد جمع کیا ہے۔'' (۲۴)

پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن کی کتاب ''تاریخ ادبیاتِ فارسی'' کی علامہ اقبال نے بڑی تعریف کی ہے۔ مولانا گرامی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی کا مشہور قصیدہ 'حالتِ روزگاری بینم' پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات فارسی کی تیسری جلد میں ----- شائع ہوا ہے۔ یہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ ہندوستان میں جو نسخے اس قصیدہ کے مروّج ہیں، بہت غلط ہیں، پروفیسر براؤن نے جو نسخہ شائع کیا ہے، بہت صحیح ہے۔'' (۲۵)

پیش کردہ گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ اقبال فکر اسلامی کے ایک عالم ہونے کے ساتھ ساتھ مغربی فکر و فلسفہ کے اہم ناقد بھی تھے۔ مختلف مستشرقین اور مشنری حضرات سے آپ کے علمی و فکری نیز سماجی و سیاسی میدان میں تعلقات ایک مسلمہ حقیقت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مستشرقین کے رویوں سے پوری طرح آگاہ تھے اور ان کی علمی سرگرمیوں کے مقاصد کے بارے میں کسی ابہام کا شکار نہ تھے۔ مستشرقین کے بارے میں آپ کے مطالعاتی رجحانات کا اندازہ آپ کی شعر گوئی کے ساتھ ساتھ نثری تصانیف خصوصاً آپ کے مکتوبات سے ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ آپ

نے مکتوبات میں زیادہ وضاحت کے ساتھ استشراقی فکر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ کو مستشرقین کی بعض کتب نے متاثر کیا اور آپ نے اپنی تحریروں میں ان کے حوالے بھی دیے۔ بعض کتب آپ کو بالکل متاثر نہ کر سکیں جس کا آپ نے بے لاگ اظہار بھی کیا۔ البتہ مذہبی و نظریاتی اختلاف کے باوجود علامہ اقبال نے مستشرقین سے علمی اخذ و استفادہ میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا، بلکہ اسے ایک مفید و مؤثر سرگرمی خیال کیا۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن اور مسلم تاریخ پر ان کی بے مثال خدمات کا خوش دلی کے ساتھ اعتراف کیا۔ علاوہ ازیں آپ اپنے مستشرق اساتذہ کا ادب و احترام اسی طرح کیا کرتے تھے جس طرح مسلم اساتذہ کا۔ آپ کی اپنے استاد آرنلڈ کے انتقال پر اشکباری اور ان سے محرومی کا دکھ بھرا اظہار، احترام و عقیدت کی بہترین مثال ہے۔ اقبال نے اپنے وسیع مطالعات کے نتیجے میں اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مستشرقین کا بنیادی ہدف پوری دنیا پر مغرب کا مذہبی، سماجی اور سیاسی غلبہ ہے۔ لہٰذا آپ چاہتے تھے کہ مسلمان مستشرقین کی منفی فکر سے باخبر رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مسلم طلباء جو مستشرقین سے حصولِ علم کر رہے تھے یا ان کے زیر نگرانی کوئی تحقیقی کام کر رہے تھے، آپ نے انہیں بہر صورت اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے تحفظ کا احساس دلایا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ علامہ اقبال ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے، آپ کی راسخ العقیدگی ہر طرح کی جانب داری، تنگ نظری یا تعصب سے بالاتر تھی۔ آپ ایک وسیع النظر اور وسیع المشرب مفکر تھے۔ آپ کو سکول، کالج اور پھر یورپ کی اعلیٰ درسگاہوں میں متعدد غیر مسلم خصوصاً مسیحی اساتذہ سے بھی کسب واکتساب کا موقع ملا۔ اگرچہ آپ کے غیر مسلم اساتذہ میں پادری ٹہل سنگھ، پادری امام دین شہباز، اے۔ ایم۔ ایمرسن، تھامس ہنٹر، اے۔ مارکس، سکاٹ ولیم، ولیم جیمز، جان ٹیلر، جیمز پی۔ لینگ، رابرٹ میک چین پیٹرسن، حاکم سنگھ، سوہن مل، سیموئیل رابرٹس، ہرنام سنگھ، ڈاکٹر ینکسن، مبرج لال بابو، پربھوداس سنگھ، جگن ناتھ، سندر سنگھ، سندر داس، نرسنگھ داس، نرنجن داس، واخ جارج، ڈاکٹر جے۔ ڈبلیو۔ ینکسن، جی۔ بی۔ اشر، لالہ جیارام، مسٹر بیل، پی۔ جی۔ ڈالنجر، جارج مور، اے۔ این۔ وائٹ ہیڈ، ایڈم سیج وک، برٹرینڈ رسل، وگنن سٹائن، جیمز وارڈ، الیگزینڈر رڈ اور ڈکنسن کے اسمائے گرامی بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں مگر جن معروف مستشرقین سے آپ نے علمی اخذ واستفادہ کیا اور یورپ سے برصغیر پاک وہند واپسی کے بعد خط وکتابت کے ذریعے علمی وفکری میدان میں روابط قائم رکھے ان کا مختصر تعارف ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

i- تھامس واکر آرنلڈ کا تعلق انگلستان سے تھا۔ آپ ایم اے او کالج علی گڑھ اور گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھاتے رہے۔ آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور اور بعد ازاں یورپ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول میں علامہ اقبال کو خصوصی معاونت ومشاورت فراہم کی۔ آپ کو انگریزی کے علاوہ جرمن، فرانسیسی، اطالوی، ڈچ، پرتگالی، روسی، ہسپانوی، عربی، فارسی اور سنسکرت میں مہارت حاصل تھی۔ آپ نے طویل عرصہ تحقیق وجستجو میں رہ کر جو مقالات اور کتب تصنیف کیں ان کی فہرست درج ذیل ہے:

1-The Preaching of Islam 2-Court Paintings of the Grand Monghals (Editor) 3-The Caliphate 4-Survivals of Sasanian and Manichean Art in Persian Painting 5-Painting in Islam 6-The Islamic Faith 7-The Islamic Book 8-Behzad and His Paintings in the Zafarnameh Manuscript 9-The Legacy of Islam (Editor)

ملاحظہ ہوں: عبدالکریم قاسم، علامہ اقبالؒ کے اساتذہ، ہائیر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۴۶-۵۳
قاسم محمود سید (مدیر اعلیٰ)، معلومات، مکتبہ شاہکار، لاہور، یکم اکتوبر ۱۹۷۲ء، ص ۲۶۲

ii- پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن کا پورا نام ایڈورڈ گرینول براؤن (Edward Granville Browne) تھا۔ آپ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ اسلامی علوم خصوصاً ایرانی فکر وفلسفہ میں آپ کو خصوصی مہارت حاصل تھی۔ کیمبرج یونیورسٹی میں قیام کے دوران علامہ اقبال کا زیادہ تر وقت آپ ہی سے استفادہ کرنے میں گزرا۔ فارسی زبان وادب اور فلسفہ، جو علامہ اقبال کا خاص موضوعِ تحقیق تھا، میں بھی اقبال نے آپ سے ہی رہنمائی حاصل کی۔ آپ کی وفات پر اقبال نے فارسی میں ایک قطعہ تاریخ کہا جو تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اقبال نے یہ قطعہ منشی اسداللہ کاتب سے خوشخط لکھوا کر پروفیسر نکلسن کو بھیجا کہ وہ اسے پتھر پر کندہ کرائیں یا جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ اقبال نے پروفیسر براؤن کی شخصیت اور فن کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی ذات مشرق ومغرب کے لیے اہم تھی۔ جہاں اہلِ مغرب ان کے غم سے نڈھال ہیں وہاں اہلِ مشرق بھی ان کے ہجر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ قطعۂ وفات یہ تھا:

"قطعه تاریخ وفات پروفیسر ای -جی- براؤن اعلی الله معاده

نازش اہل کمال ای جی برون   فیضِ او درِ مغرب و مشرق عمیم
مغرب اندر ماتمِ او سینه چاك   از فراق او دلِ مشرق دو نیم
تابفردوس بریں ماویٰ گرفت   گفت ہاتف 'ذالك الفوز العظیم"

۱۹۲۶ ع

پروفیسر براؤن نے یادگار کے طور پر بہت سی اہم نگارشات چھوڑی ہیں جن میں تصانیف، مرتب کردہ کتابیں، تحقیقی رسائل اور کتابچے شامل ہیں۔ ان کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ بابیان ایران ۲۔ ایک سیاح کی سرگزشت ۳۔ بابیوں کے قلمی نسخوں کی کاپیاں ۴۔ ایرانیوں کے ساتھ ایک سال ۵۔ تاریخ جدید ۶۔ ایران کی مختلف زبانوں کی شاعری 7- فارسی قلمی نسخے 8- گبری زبان کا نمونہ 9- غدر زنجان کا چشم دید واقعہ 10- چہار مقالۂ نظامی عروضی سمرقندی

11-اسلامی قلمی نسخوں کی فہرست 12- تذکرۃ الشعراء 13- تاریخ ادب ایران جلد اول تا چہارم 14- لباب الباب 15- فارس کے واقعات حال کا مختصر افسانہ 16- انقلاب ایران 17- سانحۂ فارس 18- اخبار و نظم ایران موجودہ 19- مواد متعلقہ مذہب باب 20- طب عرب 21- تاریخ گزیدہ۔ مرتبہ: پروفیسر براؤن اور پروفیسر نکلسن

ملاحظہ ہو: محمد عبداللہ قریشی، حیاتِ جاوداں، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۶-۱۳۰

iii- ڈبلیو۔ آر۔ سورلی سے کیمبرج میں علامہ اقبال نے فلسفہ کے مضمون میں رہنمائی حاصل کی۔ پروفیسر سورلی کا خاص میدان ''نظریۂ الوہیّت اور اخلاقی اقدار'' تھا۔ آپ اپنے عہد کے مغربی فلسفیوں میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ اقبال نے فلسفۂ اخلاق کے بارے میں آپ سے استفادہ کیا۔ پروفیسر سورلی نے اس کمیٹی کی صدارت کی جس نے مارچ ۱۹۰۶ء میں اقبال کے مجوزہ تحقیقی عنوان کی رسمی منظوری دی۔

ملاحظہ ہو: سلطان محمود، سید، ڈاکٹر، پروفیسر، مضمون: علامہ اقبال اور مسیحی اساتذہ، علامہ اقبال اور مسیحی مشاہیر، مرتبین: منصور گل، ریاض طاہر، کتاب سرائے، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۲ء، ۱/۱۱-۴۰

iv- ڈاکٹر جان میک ٹیگرٹ کا خاص موضوع ہیگل اور کانٹ کا فلسفہ تھا۔ علامہ اقبال نے کیمبرج کے قیام کے دوران اپنے موضوعِ تحقیق "The Development of Metaphysics in Persia" پر اپنے استاد ڈاکٹر جان میک ٹیگرٹ سے خصوصی رہنمائی حاصل کی اور فلسفیانہ مباحث میں آپ سے بہت کچھ سیکھا۔ بعد ازاں استاد اور شاگرد کا یہ تعلق دوستانہ اور بے تکلفانہ مراسم میں تبدیل ہو گیا اور انگلستان سے واپسی پر اقبال اور میک ٹیگرٹ کے درمیان خطوط کے تبادلے ہوتے رہے۔ ان خطوط کا موضوع رسمی خیر و عافیت نہ تھا بلکہ فلسفیانہ نکات اور نئی کتابوں یا مقالات کے بارے میں اظہارِ خیال ہوتا تھا۔

ملاحظہ ہوں: محمد ریاض، ڈاکٹر، پروفیسر، افکارِ اقبال، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۲-۱۴۵
سعید اختر درانی، ڈاکٹر، نوادرِ اقبال یورپ میں، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۹
محمد عبداللہ قریشی، حیاتِ جاوداں، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۳۲

v- ڈاکٹر رینالڈ ایلین نکلسن نے کیمبرج یونیورسٹی سے ہندوستانی زبانوں کی تعلیم حاصل کی۔ معروف مستشرق ای۔ جی۔ براؤن (E.G.Brown) سے کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی پڑھی۔ کیمبرج یونیورسٹی میں ہی تیس سال تک عربی و فارسی کے استاد رہے۔ اسلامی تصوف پر یورپ میں آپ کو اتھارٹی تسلیم کیا جاتا ہے۔ معروف مستشرق جے۔ اے۔ آربری (J.A.Arberry) آپ کا شاگرد ہے۔ علاوہ ازیں علامہ اقبال نے بھی آپ سے علمی استفادہ کیا۔ آپ نے بیس سال کی محنت سے ''مثنوی مولانا جلال الدین رومی'' کا انگریزی ترجمہ آٹھ جلدوں میں کیا۔ مولانا رومی ہی کے ''دیوان شمس تبریز'' کے منتخب حصوں کا ترجمہ کیا اور ان پر حواشی لکھے۔ ابن عربی کے صوفیانہ قصائد کو ''ترجمان الاشواق'' کے نام سے شائع کیا۔ صوفیاء کے حالات پر کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' دو جلدوں میں لکھی۔ سید علی ہجویری کی تصوف کے مباحث پر مشتمل فارسی کتاب ''کشف المحجوب'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ آپ نے اپنی معروف کتاب "A Literary History of The Arabs" میں اصل عربی ماخذوں کے ساتھ ساتھ مستشرقین کی تحقیقات سے بھی استفادہ کیا۔ یہ کتاب عربی ادبیات کی تاریخ پر بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب کی زبان بڑی سادہ، مہذب اور شیریں ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے علامہ اقبال کی کتاب ''اسرارِ خودی'' کا انگریزی ترجمہ "The Secrets of Self" کے نام سے کیا۔ علامہ اقبال کو تادمِ آخر ڈاکٹر نکلسن سے بڑی عقیدت رہی۔ یاد رہے کہ علامہ اقبال اپنی کتابیں اشاعت کے بعد اپنے جن اساتذہ کو بھیجتے رہے ان میں پروفیسر نکلسن بھی شامل ہیں مثلاً خطباتِ مدراس کے نسخے پر پروفیسر نکلسن کے نام انتساب علامہ اقبال کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ اقبال اور ڈاکٹر نکلسن کے درمیان کتابوں کی اشاعت، تبصروں اور دیگر علمی و ادبی، صوفیانہ اور فلسفیانہ موضوعات پر خطوط کا تبادلہ جاری رہتا۔

ملاحظہ ہوں: سعید اختر درانی، ڈاکٹر، نوادرِ اقبال یورپ میں، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۸۲
سلمان شمسی ندوی، مولانا، مشہور مستشرقین اور ان کی تصانیف (جائزہ اور تعارف)، اسلام اور مستشرقین، ج: ۷، ص: ۲۳۸، مرتبہ محمد عارف عمری، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یو۔ پی، انڈیا، ۲۰۰۶ء
عبدالکریم قاسم، علامہ اقبالؒ کے اساتذہ، ہائیر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء ص ۸۵-۸۷

۲۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ، بزم اقبال، کلب روڈ، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۷۹

۳۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال: اردو، بانگِ درا، حصہ اول، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۰۴

4- B. A. Dar, ed. Letters and Writings of Iqbal, Iqbal Academy, Karachi, p.115,(ترجمہ: صدیق جاوید)

۵۔ مکتوباتِ اقبال، ص ۹۷-۹۶

۶۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، حصہ اول، شیخ محمد اشرف، لاہور، س۔ن، ص ۳۹۸

۷۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، حصہ دوم، شیخ محمد اشرف، لاہور، ۱۹۵۱ء، ص ۹۶

۸۔ م۔ن، ص ۲۷۴ ۹۔ م۔ن، ص ۴۵

10- Iqbal Review, April 1968, p.75 11- Ibid

نوٹ: ’خطوطِ اقبال‘ (غیر مدون مکاتیب) میں پروفیسر رفیع الدین ہاشمی نے ریاض الحسن کے نام علامہ اقبال کا انگریزی خط اور اس کا ترجمہ شائع کرنے کے علاوہ درج ذیل فٹ نوٹ بھی تحریر کیا ہے:

”اس کے مصنف مشہور مستشرق Prof. R. Levy ہیں جو اس زمانے میں لندن یونیورسٹی میں فارسی زبان و ادب کے استاد تھے۔ کتاب ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ شائع ہوئی تھی، بعد میں کسی اور مصنف نے نظر ثانی اور ترمیم کے بعد اسے Social Structure of Islam کے نام سے دوبارہ شائع کیا۔“ (ملاحظہ ہو: رفیع الدین ہاشمی، پروفیسر، خطوط اقبال، ص ۲۲)

۱۲۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال: اردو، بانگِ درا، حصہ سوم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۷۱

۱۳۔ محمد عبداللہ قریشی، مکاتیبِ اقبال بنام گرامی، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی، ۱۹۶۹ء، ص ۱۳۹

نوٹ: سر ولیم ہنری ریٹی گن (۱۸۴۲ء-۱۹۰۴ء) ایک اینگلو انڈین ماہر قانون تھے۔ چار مرتبہ پنجاب چیف کورٹ کے جج کے طور پر خدمات انجام دیں۔ ۱۸۸۷ء سے ۱۸۹۵ء تک وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے طور پر کام کیا۔ علاوہ ازیں کئی ممتاز حیثیتوں میں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۰۰ء میں انگلینڈ میں مستقل سکونت اختیار کی جہاں ستمبر ۱۹۰۱ء کے ضمنی انتخاب میں ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوئے۔ بطور ماہر لسانیات غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے۔ پانچ یورپی، کئی ہندوستانی زبانوں اور فارسی پر عبور رکھتے تھے۔ ۱۸۸۰ء میں "A Digest of Civil Law for The Punjab Chiefly Based on The Customary Law" شائع کی۔ ۱۹۰۱ء تک اس کتاب کے چھ ایڈیشن شائع ہوئے۔

(Dictionary of National Biography, Second Supplement, Vol. III, 1912, pp. 162-163)

۱۴۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، حصہ اول، ص ۱۱۸ ۱۵۔ م۔ن، ص ۱۲۴

۱۶۔ محمود نظامی، ملفوظاتِ اقبال، ص: ۳۲-۳۱

نوٹ: گارساں دتاسی (م ۱۸۷۸ء) ممتاز فرانسیسی مستشرق ہیں جو کبھی ہندوستان نہیں آئے بلکہ فرانس میں ہی رہتے ہوئے اردو زبان سیکھی۔ آپ معتبر ترین علمی و ادبی اکادمیوں کے رکن رہے، پیرس کی مشہور ایشیاٹک سوسائٹی کے بانی تھے۔ ہندوستان میں یورپی اقوام کی فروغِ مسیحیت کے لیے مختلف سرگرمیاں آپ کی دلچسپی کا خصوصی مرکز رہی ہیں۔ آپ مسیحیت کی تبلیغ کے لیے اردو زبان سیکھنے کے زبردست حامی تھے۔ آپ اردو سمیت مختلف زبانوں میں ۱۵۵ چھوٹی بڑی کتب کے مصنف ہیں۔ آپ کے خطبات و مقالات کا مطالعہ استشراقی فکر کے فہم و تجزیہ کے لیے نہایت مفید ہے۔

ملاحظہ ہوں: سلطان محمود حسین، ڈاکٹر، خطباتِ گارسین دتاسی: تربیت و تعلیمات (مقالہ پی ایچ ڈی)، سندھ یونیورسٹی، جامشورو، ۱۹۷۵ء، مقدمہ

رضیہ نور محمد، اردو زبان و ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، خیابانِ ادب، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۷۴

جواز جعفری، ڈاکٹر، اردو ادب یورپ اور امریکہ میں، مکتبۂ عالیہ، اردو بازار لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۹۸-۱۰۹

۱۷۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، حصہ دوم، ص ۲۷۶ ۱۸۔ بشیر احمد ڈار، انوارِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۲۵۱

۱۹۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، حصہ اول، ص ۶۹-۶۸ ۲۰۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، حصہ دوم، ص ۵۱-۵۰

۲۱۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، حصہ اول، ص ۵۴ ۲۲۔ م۔ن، ص ۲۲۵

۲۳۔ بشیر احمد ڈار، انوارِ اقبال، ص ۱۸۸-۱۸۷

۲۴۔ محمد رفیق افضل، گفتارِ اقبال، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۱۵۴-۱۵۳

۲۵۔ محمد عبداللہ قریشی، مکاتیبِ اقبال بنام گرامی، ص ۱۶۷-۱۶۶